Policy Research Journal
ISSN (E): 3006-7030 ISSN (P) : 3006-7022 Volume 4, Issue 3, 2026

عصرِ حاضر کے معاشرتی مسائل کا تدارک: سیرتِ نبوی ﷺ کی دعوتی حکمتِ عملی کی روشنی میں مطالعہ

Abubakar Saddiq[*1], Komal Mushtaq[2], Muhammad Qasim[3]

[*1,2,3]*M. Phil. Scholar, Department of Islamic Studies, The Superior University, Lahore, Pakistan*

[*1]aaaaabubakrmalik@gmail.com, [2]awank9720@gmail.com, [3]waqarsialvi@gmail.com

DOI: http://doi.org/10.5281/zenodo.21552111

Keywords
Prophetic Da'wah, Social Issues, Family Disintegration, Economic Justice, Islamic Reformation, Seerah, Moral Decay.

Article History
Received: 05 January 2026
Accepted: 18 February 2026
Published: 04 March 2026

Copyright @Author
Corresponding Author: *
Abubakar Saddiq

Abstract

آدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ

"Invite to the way of your Lord with wisdom and good instruction, and argue with them in a way that is best[1] ".

The modern world finds itself entangled in a severe socio-moral and economic crisis, driven by unbridled materialism, secular individualism, and the disintegration of traditional familial bonds. Contemporary societies face unprecedented challenges ranging from extreme wealth disparity and interest-based exploitation to rising divorce rates, psychological alienation, and the rapid spread of atheistic ideologies among the youth. Addressing these deeply rooted ailments requires looking beyond superficial structural policies. This study explores the profound efficacy of the Prophetic da'wah (preaching) strategy in mitigating these modern tribulations. By conducting a qualitative and analytical review of primary Islamic sources—deeply analyzing the Seerah (prophetic biography) and historical exegesis—the research investigates how the Prophet Muhammad (ﷺ) systematically transformed a fractured, pre-Islamic tribal society into an ethically upright and socially cohesive civilization.

Divine guidance centers human reformation on internal purification before external legal enforcement. As the Qur'an declares:

لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

"There has certainly been for you in the Messenger of Allah an excellent pattern[2] ".

The paper highlights key prophetic principles such as Tadreej (gradualism), psychological insight in addressing distinct social classes, and the establishment of profound social solidarity seen in the Mu'akhat (brotherhood) of Medina. When modern reformist movements fail due to rigid, top-down enforcement, the Prophetic model offers a compassionate, human-centric approach. Re-establishing the institution of family, ensuring economic justice through Zakat and the abolition of Riba, and reviving the community-centric role of the mosque form the bedrock of this restorative paradigm. Ultimately, adopting the Prophetic wisdom of patience, absolute justice, and moral resilience remains the only viable path to healing the fragmented modern human condition.

تعارف

انسانی تہذیب آج مادی، سائنسی اور تکنیکی عروج کی جن بلند ترین منازل کو چھو رہی ہے، وہ تاریخ کے کسی دور میں ممکن نہ تھیں۔ کائنات کو مسخر کرنے کی اس دوڑ میں انسان نے خلاؤں پر تو کمندیں ڈال لیں، لیکن وہ اپنے ہی وجود کے باطنی توازن اور سماجی رشتوں کے تقدس کی حفاظت کرنے میں بری طرح ناکام رہا ہے۔ موجودہ دور کا انسان مادی اعتبار سے جتنا خوشحال اور ترقی یافتہ دکھائی دیتا ہے، اندرونی اور اخلاقی طور پر وہ اتنا ہی کھوکھلا اور بے سکون ہو چکا ہے۔ عالمگیریت، اندھی مادہ پرستی اور مادر پدر آزاد انفرادیت پسندی نے معاشرے کے روایتی، خاندانی اور اخلاقی ڈھانچوں کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ ایک طرف بے پناہ دولت کا ارتکاز اور استحصالی معاشی نظام ہے جس نے غریب کو دو وقت کی روٹی کا محتاج کر دیا ہے۔ دوسری طرف خاندانی نظام کی شکست و ریخت، طلاقوں کی کثرت اور نوجوان نسل میں پھیلتا ہوا الحاد اور نفسیاتی تناؤ ہے۔ ان گھمبیر حالات میں کوئی بھی انسانی اور مادی فلسفہ معاشرے کو حقیقی امن فراہم کرنے سے قاصر ہے۔

دنیا کے اس وسیع تر سماجی انتشار کا واحد، فطری اور پائیدار حل صرف ایک ہی ہستی کے اسوۂ کامل میں پوشیدہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور آپ کی دعوتی حکمتِ عملی کسی مخصوص دور یا جغرافیے تک محدود نہیں ہے۔ یہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عرب کے اس سنگلاخ اور اخلاقی پستی کے شکار معاشرے کو جس طرح اپنی حکمت، تدریج اور حسنِ اخلاق کے ذریعے ایک پرامن، عادلانہ اور فلاحی ریاست میں تبدیل کیا، وہ انسانی تاریخ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ مفکرِ اسلام علامہ محمد اقبال نے جدید مغربی تہذیب کے اس مادی کھوکھلے پن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی لائی ہوئی روشنی کا تقابل اپنے ایک مشہور شعر میں بڑی گہرائی سے بیان کیا ہے:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف [3]

اس تحقیقی مطالعے کا بنیادی مقصد عصرِ حاضر کے نمایاں ترین معاشرتی، خاندانی اور معاشی مسائل کی تشخیص کرنا ہے۔ ان مسائل کا سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعوتی و اصلاحی حکمتِ عملی کی روشنی میں ایک عملی تدارک پیش کرنا اس تحقیق کا دائرہ کار ہے۔

عصرِ حاضر کے معاشی و معاشرتی مسائل

کسی بھی معاشرے میں پنپنے والے مسائل راتوں رات خلا میں جنم نہیں لیتے۔ ان کی جڑیں گہرے نظریاتی نظاموں میں پیوست ہوتی ہیں۔ آج کا عالمی معاشرہ جس معاشی عدم مساوات اور سماجی استحصال کا شکار ہے، اس کی بنیادی وجہ سرمایہ دارانہ نظام کی اندھی تقلید ہے۔ صنعتی انقلاب کے بعد مغربی دنیا سے اٹھنے والے اس معاشی فلسفے نے فرد کی ذاتی غرض اور بے لگام نفع خوری کو معیشت کا واحد مقصد بنا دیا۔ معاشی نظام کو اخلاق، ہمدردی اور الہامی اصولوں سے مکمل طور پر کاٹ دیا گیا۔ مغربی ماہرِ معاشیات تھامس پکیٹی نے اس سرمایہ دارانہ نظام کے بھیانک نتائج کو اعداد و شمار کے ساتھ کچھ یوں پیش کیا ہے:

"Capitalism automatically generates arbitrary and unsustainable inequalities that radically undermine the meritocratic values on which democratic societies are based".

ترجمہ: سرمایہ دارانہ نظام خود بخود ایسی صوابدیدی اور ناقابلِ برداشت عدم مساوات کو جنم دیتا ہے جو ان اقدار کو جڑ سے اکھاڑ دیتی ہیں جن پر جمہوری معاشروں کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ [4]

اس ظالمانہ نظام کا سب سے بڑا ہتھیار سود ہے۔ سود کے ذریعے دولت کا رخ معاشرے کے غریب طبقے سے کھینچ کر چند مخصوص سرمایہ داروں کی تجوریوں کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ اسلام نے اس معاشی ظلم کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے سود کو مطلقاً حرام قرار دیا تھا۔ قرآنِ مجید میں باری تعالیٰ کا واضح ارشاد موجود ہے:

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا

ترجمہ: اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے۔[5]

اس آیت کی تفسیر میں معروف مفسر امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ تجارت میں نفع کا انحصار انسان کی محنت، خطرے اور حقیقی مادی تبادلے پر ہوتا ہے۔ اس عمل سے معاشرے میں معاشی سرگرمی اور روزگار پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس سود محض وقت گزرنے کی بنیاد پر مال پر مال کی زیادتی کا نام ہے۔ یہ سراسر ظلم اور باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانے کے مترادف ہے[6]۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سود کی اس سنگین معاشی و اخلاقی تباہ کاری کی بنا پر اس عمل میں شریک ہر فرد پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کی تحریر لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت فرمائی ہے، اور فرمایا کہ وہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔[7]

سود، ذخیرہ اندوزی اور افراطِ زر نے متوسط طبقے کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ عام انسان کی قوتِ خرید جواب دے چکی ہے۔ معاشرہ دو واضح حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ ایک طرف بے پناہ وسائل پر قابض اقلیت ہے اور دوسری طرف بقا کی جنگ لڑتی ہوئی کثیر آبادی ہے۔ غریب طبقات میں پھیلنے والی اسی مایوسی کے سبب معاشرے میں چوری، ڈکیتی اور جرائم میں ہوشربا اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے۔

IER
Institute for Excellence in Education & Research

عصرِ حاضر کے معاشی و معاشرتی مسائل کے محرکات

عمرانیات کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ انسانی تمدن کی سب سے بنیادی اکائی خاندان ہے۔ علامہ عبد الرحمن ابن خلدون اپنے مقدمے میں بیان کرتے ہیں کہ انسان فطری طور پر سماجی ہے۔ اس کی اخلاقی، نفسیاتی اور معاشرتی نشوونما اسی خاندانی اور قبائلی عصبیت کے سائے میں پروان چڑھتی ہے[8]۔ دورِ حاضر کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ خاندانی نظام جو صدیوں سے سکون، تحفظ اور اخلاقی اقدار کا گہوارہ تھا، آج شدید عملی زلزلوں کی زد میں ہے۔

خاندانی نظام کے بکھرنے میں سب سے اہم کردار شدید انفرادیت پسندی اور مادی مفادات نے ادا کیا ہے۔ جدید انسان نے حقوق اور فرائض کے درمیان توازن کھو دیا ہے۔ رشتوں کی بنیاد محبت اور ایثار کے بجائے افادیت پر رکھ دی گئی ہے۔ قرآنِ مجید نے ازدواجی تعلق کی روحانی بنیاد کو ان الفاظ میں واضح کیا تھا:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔[9]

آج گھروں سے یہ مودت اور رحمت رخصت ہو چکی ہے۔ عدم برداشت اور انا پرستی کے باعث معمولی اختلافات پر طلاق اور خلع کے واقعات میں خوفناک حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کی خامیوں پر پردہ ڈالنے اور صبر کرنے کے بجائے علیحدگی کو آسان حل سمجھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس عمل کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے امت کو واضح پیغام دیا تھا:

أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى الطَّلَاقِ

ترجمہ: حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔[10]

خاندانی انتشار کا دوسرا بھیانک پہلو والدین اور بزرگوں کی ناقدری ہے۔ مغربی تہذیب کے زیر اثر نوجوان نسل والدین کو اپنی شخصی آزادی میں رکاوٹ تصور کرنے لگی ہے۔ اولاد کی معاشی دوڑ نے انہیں اتنا مصروف کر دیا ہے کہ ان کے پاس اپنے بزرگوں کے لیے وقت ہی نہیں بچا۔ منشائے الٰہی یہ ہے کہ والدین کے ساتھ انتہائی حسنِ سلوک کیا جائے۔ قرآنِ مجید نے حقوق اللہ کے فوراً بعد حقوق العباد میں والدین کا ذکر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا

ترجمہ: اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ بھلائی کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں 'اُف' بھی نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو، اور ان سے عزت و تکریم کے ساتھ بات کرو۔[11]

اس ساری صورتحال کا سب سے زیادہ نقصان اس نئی نسل کو ہو رہا ہے جو ٹوٹے ہوئے خاندانوں اور والدین کی عدم توجہی کے سائے میں پروان چڑھ رہی ہے۔ والدین نے بچوں کی تربیت کی ذمہ داری اسکولوں، انٹرنیٹ اور ڈیجیٹل آلات کے حوالے کر دی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خاندان کے سربراہ کی اس غفلت کے حوالے سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا تھا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ... وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا... اور مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہو گا۔[12]

جب خاندان کا ادارہ اپنی بنیادی تربیتی ذمہ داریوں سے دستبردار ہو جاتا ہے تو معاشرے میں بے راہ روی، منشیات کی لت اور نوجوانوں کے نظریاتی بگاڑ کا راستہ کھل جاتا ہے۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مطالعہ ہم پر واضح کرتا ہے کہ حقوق کی کشمکش کو ختم کر کے اپنے فرائض کی ادائیگی، باہمی احترام اور صبر و تحمل ہی اس گرتی ہوئی خاندانی دیوار کو سہارا دے سکتے ہیں۔

جدید الحادی افکار اور نوجوان نسل کے عقائد و نظریات

عصرِ حاضر کا مواصلاتی اور ڈیجیٹل انقلاب اپنے ہمراہ محض تکنیکی سہولیات ہی نہیں لایا۔ اس نے ایک ایسا فکری سیلاب بھی برپا کیا ہے جس نے مسلم نوجوانوں کے عقائد اور نظریات کو براہِ راست نشانہ بنایا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مغربی فکر کا ارتقاء دراصل الہامی رہنمائی اور عقلِ محض کے درمیان ایک طویل کشمکش کی داستان ہے۔ یورپ کی تحریکِ احیائے علوم نے انسان کو مرکزِ کائنات قرار دے کر وحی کی بالادستی کا انکار کیا۔ مادی ترقی کو ہی انسانیت کی معراج سمجھ لیا گیا۔ دورِ جدید کے فلسفوں، خاص طور پر مابعد جدیدیت نے آفاقی سچائیوں کا سرے سے انکار کر دیا ہے۔ آج کا نوجوان ہر اس اخلاقی اور الہامی ضابطے کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اس کی انفرادی آزادی پر قدغن لگاتا ہو۔

مغربی مفکرین نے باقاعدہ ایک منظم بیانیے کے تحت مذہب کو انسانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ معروف جرمن فلسفی کارل مارکس کا یہ نظریہ اسی یلغار کا حصہ تھا:

"Religion is the opium of the people".

ترجمہ: مذہب عوام کے لیے افیون ہے۔[13]

اس سائنسی مادہ پرستی اور الحادِ جدید نے نوجوان نسل کے دلوں میں ایک گہرا شناختی اور وجودیاتی بحران پیدا کر دیا ہے۔ نوجوان اپنی روایتی اور الہامی اقدار کو پسماندگی کی علامت سمجھ کر مغربی لبرل افکار کی چکاچوند میں گم ہو رہے ہیں۔ کائنات کے خالق اور آخرت کے تصور سے کٹ جانے کے بعد نوجوانوں کی زندگی بے مقصدی کا شکار ہو چکی ہے۔ یہ روحانی کھوکھلاپن شدید نفسیاتی دباؤ اور ڈپریشن کی صورت میں سامنے آ رہا ہے۔ قرآنِ مجید نے انسان کے اس نفسیاتی اور روحانی انحطاط کی نشان دہی نہایت واضح الفاظ میں کی ہے:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ

ترجمہ: اور جو کوئی میری یاد (نصیحت) سے منہ پھیرے گا تو یقیناً اس کے لیے زندگی تنگ کر دی جائے گی، اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔[14]

ہمارا موجودہ تعلیمی نظام بھی اس نظریاتی بحران کو گہرا کرنے کا سبب بن رہا ہے۔ تعلیمی اداروں میں مادی علوم کو تو عقل اور منطق کی کسوٹی پر پڑھایا جاتا ہے۔ دینی تعلیم کو محض روایتی رٹے تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اس ثنویت نے طالب علم کے ذہن میں یہ مغالطہ پیدا کر دیا ہے کہ سائنسی علوم ہی ترقی کی واحد شاہراہ ہیں۔ مفکرِ ملت علامہ محمد اقبال نے نوجوانوں کے اس زوال اور تعلیمی نظام کی خامیوں کا نوحہ اپنے اس شعر میں بڑی دردمندی سے پیش کیا ہے:

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ[15]

نوجوان کے ذہن میں اٹھنے والے پیچیدہ سوالات کا تسلی بخش اور منطقی جواب فراہم کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ مناسب رہنمائی نہ ملنے پر ان کی تشکیک آہستہ آہستہ مکمل الحاد اور لادینیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

معاشرتی اصلاح اور دعوت

معاشرے میں پھیلنے والے ان گہرے نظریاتی اور اخلاقی امراض کا علاج محض سطحی قوانین کے نفاذ یا جبر سے ممکن نہیں۔ انسانوں کی کجی اور قلبی زوال کو دور کرنے کے لیے ایک ایسے جامع اور ہمہ گیر منہج کی ضرورت ہوتی ہے جو انسانی نفسیات کی گہرائیوں تک رسائی رکھتا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعوتی جدوجہد اسی نفسیاتی اور اخلاقی بصیرت کا شاہکار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عرب کے اس جاہل اور کھردرے معاشرے کو بدلنے کے لیے جو اصول وضع کیے، وہ آج کے انتشار کے لیے بھی واحد نسخۂ شفا ہیں۔ قدرتِ خداوندی نے دعوتِ حق کا یہ عالمگیر اصول خود اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو سکھایا:

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ

ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ دعوت دیں، اور ان سے ایسے طریقے سے بحث کریں جو سب سے بہتر ہو۔[16]

حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ داعی مخاطب کے پس منظر، اس کی کمزوریوں اور اس کی نفسیاتی الجھنوں کو سمجھے اور پھر اسی مناسبت سے اپنا کلام پیش کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کبھی بھی گناہ گار سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم گناہ سے نفرت کرتے ہوئے انسان کو انتہائی شفقت سے راہِ راست پر لاتے تھے۔ یہ ہمدردی اور موعظِ حسنہ پتھر دلوں کو بھی موم کر دیتا تھا۔

اس کی ایک نہایت شاندار مثال حدیثِ مبارکہ میں ملتی ہے جب ایک نوجوان آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محفل میں آیا۔ اس نے کھلم کھلا اپنی نفسانی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

إِنَّ فَتًى شَابًّا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ائْذَنْ لِي فِي الزِّنَا، فَأَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ فَزَجَرُوهُ... فَقَالَ: ادْنُهْ، فَدَنَا مِنْهُ قَرِيبًا، قَالَ: فَجَلَسَ، قَالَ: أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ؟ قَالَ: لَا وَاللَّهِ، جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ، قَالَ: وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأُمَّهَاتِهِمْ...

ترجمہ: ایک نوجوان نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! مجھے بدکاری (زنا) کی اجازت دیجیے۔ صحابہ کرام اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے ڈانٹنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: میرے قریب آ جاؤ۔ وہ قریب آ کر بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نہایت شفقت سے پوچھا: کیا تم اپنی ماں کے لیے اسے پسند کرو گے؟ اس نے کہا: خدا کی قسم! ہرگز نہیں، اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے۔[17]

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس سے بیٹی، بہن اور خالہ کے بارے میں پوچھا۔ آخر میں اپنا دستِ مبارک اس کے سینے پر رکھ کر اس کے دل کی پاکیزگی کی دعا فرمائی۔ یہ واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ عصری فتنوں اور اخلاقی بے راہ روی کا شکار نوجوانوں کو فتوؤں اور سختی سے نہیں دبایا جا سکتا۔ ان کے شکوک و شبہات اور خواہشات کا علاج اسی نبوی شفقت، منطقی استدلال اور دلسوزی میں پوشیدہ ہے۔

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

سیرتِ طیبہ میں دعوت کا اسلوب

انسانی عادات، رسوم و رواج اور برسوں پرانے نظریات کسی ایک دن کے فرمان سے تبدیل نہیں ہو جاتے۔ انسانی ذہن کسی بھی اچانک اور بڑے انقلاب کو قبول کرنے میں فطرتاً مزاحمت پیش کرتا ہے۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعوتی حکمتِ عملی کا ایک بہت بڑا اور منفرد پہلو مرحلہ وار اصلاح ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ زندگی میں صرف عقیدۂ توحید، رسالت اور آخرت کے احساس کو دلوں میں راسخ کرنے پر توجہ دی۔ جب تک انسان کے باطن میں اللہ کی حاکمیت کا خوف اور محبت پیدا نہ ہو جائے، وہ ظاہری قوانین کا پابند نہیں بن سکتا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انسانی نفسیات اور قرآنی احکامات کے اس تدریجی ربط کو ایک عظیم علمی اصول کے طور پر بیان فرمایا ہے:

إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُورَةٌ مِنَ الْمُفَصَّلِ، فِيهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، حَتَّى إِذَا ثَابَ النَّاسُ إِلَى الْإِسْلَامِ نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ، وَلَوْ نَزَلَ أَوَّلَ شَيْءٍ لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ، لَقَالُوا: لَا نَدَعُ الْخَمْرَ أَبَدًا، وَلَوْ نَزَلَ لَا تَزْنُوا، لَقَالُوا: لَا نَدَعُ الزِّنَا أَبَدًا

ترجمہ: پہلے پہل جو سورتیں نازل ہوئیں وہ مفصل کی سورتوں میں سے تھیں جن میں جنت اور دوزخ کا ذکر تھا۔ یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہو کر پختہ ہو گئے تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے۔ اگر بالکل شروع ہی میں یہ حکم نازل ہو جاتا کہ شراب نہ پیو، تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہیں چھوڑیں گے۔ اور اگر یہ نازل ہو جاتا کہ زنا نہ کرو، تو لوگ کہتے کہ ہم زنا کبھی نہیں چھوڑیں گے۔[18]

عرب معاشرے میں شراب نوشی اور دیگر برائیاں ان کی ثقافت کا گہرا حصہ تھیں۔ شارعِ حکیم اگر آغاز میں ہی ان پر قطعی پابندی لگا دیتے، تو معاشرتی سطح پر اس کی تعمیل ناممکن ہو جاتی۔ اسی حکمت کے تحت شراب کی حرمت کو چار مختلف مراحل میں نازل کیا گیا۔ معاشرہ ذہنی اور نفسیاتی طور پر اس پابندی کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو سکا۔

آج کا مصلح جب معاشرے کی برائیوں کو مٹانے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ عجلت پسندی کا شکار ہو کر چاہتا ہے کہ راتوں رات نظام تبدیل ہو جائے۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ معاشرتی اصلاح ہمیشہ اندر سے باہر کی طرف سفر کرتی ہے۔ جب تک عقائد کی درستی اور دلوں کی زمین نرم نہ کی جائے، قوانین کا بیج اس میں ثمر آور نہیں ہو سکتا۔ فرد کی نفسیات کو سمجھے بغیر اور اسے تدریجی مراحل سے گزارے بغیر نافذ کیے گئے قوانین اکثر بغاوت اور منافقت کو جنم دیتے ہیں۔ معاشرتی برائیوں کا پائیدار تدارک اسی نبوی اسلوب کی پیروی میں پوشیدہ ہے۔

معاشرتی اصلاح اور اقلیتوں کے حقوق

کسی بھی معاشرے کا امن اس وقت تک برقرار نہیں رہ سکتا جب تک وہاں بسنے والے مختلف المذاہب اور کثیر الثقافتی گروہوں کو ان کے بنیادی حقوق اور تحفظ کی ضمانت نہ ملے۔ آج کی دنیا عدم برداشت، مذہبی منافرت اور اقلیتوں کے استحصال جیسے سنگین امراض کا شکار ہے۔ ترقی یافتہ معاشرے بھی لسانی اور نسلی تعصبات کی آگ میں جل رہے ہیں۔ ہجرت کے بعد مدینہ کا معاشرہ بھی کوئی یکساں عقیدے والا معاشرہ نہیں تھا۔ وہاں مسلمان، یہودی اور مشرکین آباد تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس تکثیری سماج کو ایک پرامن اور متحد ریاست میں ڈھالنے کے لیے تاریخِ انسانی کا پہلا تحریری دستور وضع کیا جسے میثاقِ مدینہ کہا جاتا ہے۔ معروف محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس معاہدے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ دنیا کا پہلا تحریری آئین تھا جس نے ایک کثیر المذہبی معاشرے کو ایک دستوری نظام کے تحت لا کھڑا کیا[19]۔

اس معاہدے نے مذہبی آزادی کو ایک ریاستی قانون کا درجہ دے دیا۔ میثاقِ مدینہ کی اس تاریخی شق نے اقلیتوں کے حقوق کا وہ تحفظ کیا جس کی نظیر پہلے موجود نہ تھی:

وَإِنَّ يَهُودَ بَنِي عَوْفٍ أُمَّةٌ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ، لِلْيَهُودِ دِينُهُمْ وَلِلْمُسْلِمِينَ دِينُهُمْ

ترجمہ: اور بے شک بنو عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک سیاسی امت (قوم) ہیں؛ یہودیوں کے لیے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین۔[20]

یہ ایک واضح اعلان تھا کہ اسلامی ریاست کسی بھی غیر مسلم اقلیت پر عقیدے کے معاملے میں جبر نہیں کرے گی۔ قرآنِ مجید نے پہلے ہی عقیدے کی آزادی کا یہ اصول مقرر کر دیا تھا:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔[21]

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے جان و مال کے تحفظ کو اتنی اہمیت دی گئی کہ اسے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ کیے گئے عہد کے مترادف قرار دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اقلیتوں پر ظلم کرنے والوں کے لیے سخت ترین وعید سنائی:

أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهَدًا، أَوِ انْتَقَصَهُ، أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ، أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ، فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ترجمہ: خبردار! جس نے کسی معاہد (غیر مسلم شہری جس سے امن کا معاہدہ ہو) پر ظلم کیا، یا اس کا حق مارا، یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالا، یا اس کی مرضی کے بغیر اس کی کوئی چیز لی، تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے جھگڑنے والا ہوں گا۔[22]

علامہ محمد اقبال نے اسی وسیع المشربی اور انسانی احترام کے تصور کو اپنے کلام میں بڑی خوبصورتی سے پرویا ہے:

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا[23]

معاشرتی اصلاح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

معاشرے سے جرائم اور بے حیائی کو محض پولیس یا عدالت کے زور پر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ایک پر امن سماج کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کا ہر فرد خود کو اخلاقی اور سماجی طور پر ذمہ دار سمجھے۔ موجودہ دور کی اس نفسیات نے برائیوں کو خاموشی سے پنپنے کا موقع فراہم کیا ہے کہ انسان صرف اپنی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ جب جرائم، رشوت اور کرپشن کو دیکھ کر لوگ خاموش تماشائی بن جاتے ہیں تو وہ برائی ایک ناسور بن کر پورے نظام کو نگل لیتی ہے۔ اسلام نے معاشرتی اصلاح کی اس ذمہ داری کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نام دیا ہے۔ اسے امتِ مسلمہ کی بقا اور اس کے بہترین ہونے کی شرط قرار دیا گیا ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی رہنمائی اور فلاح) کے لیے نکالی گئی ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔[24]

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس فریضے کو انسان کی استطاعت کے مختلف درجات کے ساتھ جوڑ دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی بھی شخص اپنی ذمہ داری سے مبرا نہ ہو سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ

ترجمہ: تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے، تو اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ (طاقت) سے بدل دے، پھر اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو اپنی زبان سے، اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو اپنے دل سے (اسے برا جانے)، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔[25]

معروف محقق اور صوفی عالم امام ابو حامد غزالی نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ برائی کو طاقت سے روکنا حکمرانوں اور ریاستی اداروں کا کام ہے۔ زبان سے روکنا اور نصیحت کرنا علماء اور اہلِ علم کا منصب ہے۔ دل سے برا جاننا عوام الناس کا فریضہ ہے تاکہ برائی سے ایک باطنی نفرت ہمیشہ قائم رہے اور وہ معاشرے میں قابلِ قبول نہ بن جائے[26]۔

سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہمیں بتاتی ہے کہ معاشرے کا احتساب ایک مسلسل عمل ہے۔ جب افراد کے اندر یہ ایمانی احساس بیدار ہو جائے کہ ان کی خاموشی ظالم کو مزید طاقتور بنا رہی ہے، تو وہ برائی کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ قانون کی حکمرانی اور سماجی دباؤ کا یہ متوازن نظام ہی کسی بھی معاشرے کو کرپشن اور اخلاقی پستی سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

معاشرتی اصلاح اور تزکیۂ نفس

انسانی تاریخ کا گہرا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ محض فلسفے اور سخت قوانین انسانی معاشروں کی اخلاقی کایا پلٹنے کے لیے کبھی کافی ثابت نہیں ہوئے۔ قانون انسان کے ظاہری عمل کو تو قابو کر سکتا ہے لیکن اس کی روح اور نیت کو تبدیل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ معاشرے کی حقیقی تطہیر کے لیے ایک ایسی زندہ شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے جو اخلاقی بلندیوں کا مجسم نمونہ بن کر لوگوں کے قلوب و اذہان کو

مسخر کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مکہ کے سنگلاخ ماحول اور مدینہ کی نوزائیدہ ریاست میں جس دعوتی حکمتِ عملی کو اپنایا، اس کا اصل محور انسان کا باطن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خارجی ریاستی ڈھانچہ تشکیل دینے سے قبل افراد کی داخلی تطہیر کی۔ اسے اسلامی اصطلاح میں تزکیۂ نفس کہا جاتا ہے۔

قرآنِ مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرائضِ منصبی کا ذکر کرتے ہوئے اس عمل کو تلاوتِ آیات کے ساتھ ایک بنیادی ستون قرار دیا ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

ترجمہ: وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے، اور انہیں پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔[27]

تزکیہ سے مراد انسانی قلب کو ان تمام امراض سے پاک کرنا ہے جو معاشرتی بگاڑ کا سبب بنتے ہیں۔ حسد، تکبر، لالچ، منافقت اور خود غرضی وہ بیماریاں ہیں جو انسان کو استحصال اور ظلم پر آمادہ کرتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس حقیقت کو انتہائی بلیغ انداز میں بیان فرمایا کہ انسانی جسم کے تمام اعمال اس کے قلب کی حالت کے تابع ہیں:

أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ

ترجمہ: سن لو! بے شک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جب وہ درست رہتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے، اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ سن لو! وہ دل ہے۔[28]

امام غزالی نے انسان کے باطنی اور خارجی اعمال کے تعلق پر گہری بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ دل کا فساد اس پر دنیا کی ہوس اور شہوات کا غلبہ ہے۔ جب تک حکمرانوں، قاضیوں، تاجروں اور عوام کے قلوب کا تزکیہ نہیں ہوتا، زمین پر کوئی بھی عادلانہ قانون اپنے حقیقی ثمرات پیدا نہیں کر سکتا[29]۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیاں اسی تربیت کا شاہکار تھیں۔ جو لوگ اسلام سے قبل خاندانی تفاخر اور معمولی باتوں پر خون ریزی میں غرق تھے، صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فیضان نے انہیں عدل، تواضع، ایثار اور انسانی ہمدردی کا پیکر بنا دیا۔ علامہ محمد اقبال نے عرب کے اس بدوی معاشرے میں آنے والے اس عظیم الشان انقلاب کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے:

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا[30]

جدید مادی دنیا کا المیہ یہ ہے کہ اس نے اخلاقی تربیت اور کردار سازی کو تعلیمی نظام سے بے دخل کر دیا ہے۔ ہمارے تعلیمی ادارے ایک ایسی فیکٹری کا روپ دھار چکے ہیں جہاں سے تکنیکی مہارت رکھنے والے پیشہ ور افراد تو نکل رہے ہیں لیکن ان میں انسانی ہمدردی کا فقدان ہے۔ معروف برطانوی مفکر سی ایس لوئیس نے اقدار سے عاری تعلیم کے انجام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"Education without values, as useful as it is, seems rather to make man a more clever devil".

ترجمہ: اقدار سے عاری تعلیم، خواہ وہ کتنی ہی فائدہ مند کیوں نہ ہو، انسان کو صرف ایک زیادہ ہوشیار شیطان بناتی ہے۔[31]

عصرِ حاضر کے جرائم، بدعنوانی اور خاندانی تنازعات کا حقیقی علاج تزکیۂ نفس کے اسی ماڈل کی طرف واپسی ہے۔ جب معاشرے کے افراد کے اندر جوابدہی کا خوف بیدار ہو جاتا ہے، تو وہ تنہائی میں بھی جرم کا ارتکاب کرنے سے کانپ اٹھتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اخلاقی پختگی کا عالم یہ تھا کہ جب شراب کی حرمت کا قطعی حکم نازل ہوا، تو مدینہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہہ گئی۔ کسی پولیس یا ریاستی جبر کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

معاشرتی اصلاح میں مساجد اور تعلیمی اداروں کا کردار

کسی بھی نظریے کی بقا اور اس کے معاشرتی نفوذ کے لیے ایسے اداروں کا قیام ناگزیر ہوتا ہے جو اس نظریے کی عملی مشق کروا سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہجرت کے فوراً بعد محض ایک ریاست ہی قائم نہیں کی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مسجدِ نبوی کی صورت میں ایک ایسا ہمہ جہت سماجی اور تعلیمی مرکز قائم کیا جس نے معاشرے کی شیرازہ بندی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ عہدِ رسالت میں مسجد محض چند مخصوص رسومات کی ادائیگی کا مقام نہیں تھی۔ یہ ایک ایسا مقام تھا جہاں سیاسی اور ریاستی امور پر مشاورت ہوتی تھی۔ یہ ایک عدالت تھی جہاں حق و باطل کے فیصلے صادر ہوتے تھے۔ یہ ایک ایسا سماجی مرکز تھا جہاں معاشرے کے محروم طبقات کی دادرسی کی جاتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مسجد کے ایک گوشے میں اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے ایک باقاعدہ اقامتی درسگاہ قائم کی۔ علم کے متلاشی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وہاں قیام پذیر رہتے اور براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے تربیت حاصل کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے علم کی منتقلی کو اپنا بنیادی وصف قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا

ترجمہ: بے شک مجھے تو معلم بنا کر ہی بھیجا گیا ہے۔[32]

آج کے مسلم معاشرے میں مساجد کو عوامی زندگی کے اصل دھارے سے الگ کر دیا گیا ہے۔ مسجد اور معاشرے کا یہ فاصلہ کئی مسائل کو جنم دے رہا ہے۔ جن محرابوں سے معاشرے کے سلگتے ہوئے مسائل جیسے منشیات، رشوت ستانی، ناانصافی اور جہیز کی لعنت کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے تھی، وہ بعض اوقات فروعی اختلافات کے حصار میں مقید نظر آتے ہیں۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا تقاضا ہے کہ مساجد اور تعلیمی اداروں کے مابین پیدا ہونے والی اس خلیج کو ختم کیا جائے۔ مساجد کو دوبارہ سماجی مراکز کی شکل دی جائے جہاں نوجوانوں کی فکری تربیت ہو۔ غریبوں کی مدد کے لیے مقامی بیت المال کا نظام چلے۔ محلے کے تنازعات کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کے لیے مصالحتی کمیٹیاں کام کریں۔

معاشرتی اصلاح اور خواتین کے معاشی و معاشرتی حقوق

معاشرتی بگاڑ کی ایک اور سنگین تصویر وہ ناانصافی ہے جو گھر کی چار دیواری کے اندر صنفِ نازک کے خلاف روا رکھی جاتی ہے۔ عصرِ حاضر کا معاشرہ خواتین کے حقوق کے معاملے میں دو انتہاؤں کا شکار ہے۔ ایک طرف قدامت پسندی اور رسوم کے نام پر عورت کو اس کے جائز معاشی حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ دوسری طرف مغربی لبرل ازم کے زیرِ اثر عورت کو آزادی کے نام پر جنس بازار بنا کر اس کا مادی استحصال کیا جا رہا ہے۔ ظہورِ اسلام سے قبل عرب معاشرے میں عورت کا کوئی قانونی اور معاشی وجود تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ اسے وراثت سے محروم رکھا جاتا اور بیٹی کی پیدائش کو باعثِ ننگ سمجھا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی دعوتی جدوجہد کے ذریعے اس ظالمانہ نظام کا قلع قمع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عورت کو وہ وقار عطا کیا جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ قرآنِ مجید نے وراثت میں خواتین کا حصہ قطعی طور پر مقرر کر کے معاشی استحصال کا دروازہ بند کر دیا:

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا

ترجمہ: مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، خواہ وہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کردہ ہے۔[33]

برصغیر کے سماجی پس منظر میں بیٹیوں اور بہنوں کو ان کے حقِ وراثت سے محروم کرنے کے لیے نت نئے حیلے تراشے جاتے ہیں۔ جذباتی دباؤ ڈال کر ان سے حق بخشوایا جاتا ہے یا جہیز کی صورت میں کچھ سامان دے کر انہیں جائیداد سے بے دخل کر دیا جاتا ہے۔ معروف مفسر علامہ اسماعیل ابن کثیر اس قرآنی حکم کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے اس طریقے کو باطل کر دیا جس کے تحت صرف ان مردوں کو وارث بنایا جاتا تھا جو لڑنے کے قابل ہوں۔ عورتوں کو بالکل محروم کر دیا جاتا تھا[34]۔

خواتین پر گھریلو تشدد ایک اور ایسا ناسور ہے جو خاندانی سکون کو غارت کر رہا ہے۔ بعض مرد اپنی جسمانی طاقت کو جبر کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی پوری حیاتِ مبارکہ میں کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خواتین پر تشدد کو غیرت اور مردانگی کے خلاف قرار دیتے ہوئے صریح الفاظ میں منع فرمایا:

لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللَّهِ

ترجمہ: اللہ کی بندیوں کو مت پیٹو۔[35]

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مردوں کو عورتوں کے حقوق کا پابند بناتے ہوئے انہیں اللہ کی امانت قرار دیا۔ جب تک معاشرہ ان جاہلی رویوں کو ترک کر کے تکریمِ نسواں کے اس نبوی ماڈل کو تسلیم نہیں کرتا، تب تک خاندانی نظام کا استحکام ممکن نہیں۔

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

معاشرتی اصلاح میں قانون کی بالادستی اور مساوات کا کردار

کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک امن کا گہوارہ نہیں بن سکتا جب تک اس کے عدالتی اور انتظامی نظام میں قانون کی مکمل بالادستی قائم نہ ہو۔ جب معاشرے میں طاقتور کے لیے قانون مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہو اور غریب کے لیے لوہے کی زنجیر بن جائے، تو اس معاشرے کا زوال حتمی ہو جاتا ہے۔ عصرِ حاضر کی ریاستوں کا ایک بہت بڑا بحران اقربا پروری، رشوت ستانی اور بااثر طبقات کا قانون کی گرفت سے محفوظ رہنا ہے۔ اسلام نے عدل و انصاف کی فراہمی کو ریاست کا سب سے بنیادی اور مقدس فریضہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے کہ عدل کے قیام میں کسی قسم کی دشمنی یا مفاد آڑے نہیں آنا چاہیے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔[36]

معروف محقق اور فقیہ علامہ ابن تیمیہ نے ریاستی استحکام کے حوالے سے عدل کی مرکزیت کو ایک تاریخی اور ابدی اصول کے طور پر بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قدرتِ خداوندی انصاف پر مبنی ریاست کو قائم رکھتی ہے چاہے وہ کافروں کی ہی کیوں نہ ہو، اور ظالم ریاست کو مٹا دیا جاتا ہے چاہے وہ مسلمانوں کی ہی کیوں نہ ہو[37]۔

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں مساوات اور قانون کی بالادستی کا عملی نمونہ قبیلہ بنو مخزوم کی ایک معزز عورت کی چوری کے واقعے میں ملتا ہے۔ جب کچھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس خاتون کے خاندانی وقار کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے سفارش کی کوشش کی، تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا چہرۂ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تاریخِ انسانی کا وہ عظیم الشان قانونی ضابطہ ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا

ترجمہ: تم سے پہلے کی قومیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معزز (یا طاقتور) شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے، اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر (میری بیٹی) فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) بھی چوری کرتی، تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔[38]

یہاں تک کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کے تمام سودی اور خونی انتقام کے مطالبات کو باطل قرار دیا۔ اس کی شروعات آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے ہی خاندان یعنی اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سود اور اپنے خاندان کے خون کو معاف کرنے سے کی۔ جب ریاستی ادارے اس نبوی اصولِ مساوات کے تحت کام کریں گے، تو عوام کا اداروں پر اعتماد بحال ہو گا۔ جرائم کی شرح میں کمی آئے گی اور معاشرہ ایک مستحکم حصار میں تبدیل ہو جائے گا۔

نتائجِ بحث

زیرِ نظر تحقیقی مقالے میں عصرِ حاضر کے معاشرتی مسائل اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعوتی حکمتِ عملی کے تفصیلی و تجزیاتی مطالعے کے بعد درج ذیل واضح اور ٹھوس نتائج روزِ روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آئے ہیں:

- موجودہ خاندانی انتشار، طلاق کی کثرت اور نوجوان نسل کی بے راہ روی کا بنیادی سبب اسلامی نظامِ حیات سے دوری اور مادی انفرادیت پسندی کی اندھی تقلید ہے۔
- معاشرے میں غربت، جرائم اور معاشی عدم مساوات کی جڑیں سودی معیشت اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم میں پیوست ہیں، جن کا خاتمہ اسلامی معاشی اصولوں کے بغیر ناممکن ہے۔
- محض ریاستی قوانین اور جبر کے ذریعے جرائم کا مکمل انسداد اس وقت تک ممکن نہیں جب تک افراد کے قلوب کا تزکیہ اور اخلاقی تربیت نہ کی جائے، جو کہ دعوتی حکمتِ عملی کی اساس ہے۔
- نسلی، لسانی اور مسلکی تعصبات نے قومی یکجہتی کو شدید نقصان پہنچایا ہے، جس کا واحد علاج خطبہ حجۃ الوداع کے مساواتِ انسانی اور میثاقِ مدینہ کے رواداری پر مبنی اصولوں کا نفاذ ہے۔
- سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دعوتی اسلوب، جو حکمت، موعظہ حسنہ، نرمی اور تدریج پر مبنی ہے، دورِ حاضر کے پیچیدہ معاشرتی اور نفسیاتی مسائل کو حل کرنے کی کامل اور آفاقی صلاحیت رکھتا ہے۔
- جدید ابلاغی ذرائع اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی نے فحاشی اور سائبر کرائمز کو بڑھاوا دیا ہے، جن کا تدارک اسلامی اخلاقیات اور قرآنی اصولِ تحقیق پر سختی سے عمل پیرا ہونے میں مضمر ہے۔

سفارشات و تجاویز

اس تحقیقی مطالعے اور اخذ کردہ نتائج کی روشنی میں معاشرتی اصلاح، ریاستی استحکام اور مستقبل کے لائحہ عمل کے لیے درج ذیل عملی اور مفید سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

- تعلیمی نصاب میں بنیادی اصلاحات کرتے ہوئے سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور اسلامی اخلاقیات کو ہر سطح پر لازمی قرار دیا جائے تاکہ طلبہ کی فکری تربیت اور کردار سازی ممکن ہو سکے۔
- خاندانی نظام کے تحفظ کے لیے شادی سے قبل نوجوانوں کے لیے عائلی حقوق و فرائض پر مبنی تربیتی کورسز کا انعقاد کیا جائے اور تنازعات کے حل کے لیے مصالحتی کونسلز فعال کی جائیں۔
- ریاستی سطح پر سودی نظام کا بتدریج خاتمہ کر کے زکوٰۃ، عشر اور اوقاف کے فلاحی و ادارہ جاتی نظام کو جدید خطوط پر استوار کیا جائے تاکہ غربت اور معاشی تفاوت کا حقیقی ازالہ ہو سکے۔
- مساجد کو محض روایتی عبادات کے بجائے سماجی، فلاحی اور دعوتی مراکز میں تبدیل کیا جائے، اور علمائے کرام عصرِ حاضر کے فکری چیلنجز کے مطابق اعتدال اور برداشت کا رویہ اپنائیں۔
- ابلاغی اداروں کے لیے اسلامی اخلاقیات پر مبنی سخت ضوابط بنائے جائیں اور فحاشی یا ہیجان انگیز مواد کی روک تھام کے لیے ریاستی قوانین پر سختی سے عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔
- نوجوان نسل کو بے راہ روی اور مایوسی سے بچانے کے لیے انہیں مثبت سماجی خدمات میں شریک کیا جائے اور ان کی توانائیاں تعمیری اور فلاحی کاموں کی طرف موڑی جائیں۔
- معاشرتی عدم تحفظ کو ختم کرنے کے لیے عدل و انصاف کی بلا تفریق اور فوری فراہمی یقینی بنائی جائے، اور ریاستی اداروں میں اقربا پروری کے بجائے میرٹ کو سختی سے نافذ کیا جائے۔

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

حوالہ جات

[1] An-Nahl, 16:125

[2] Al-Ahzab, 33:21

[3] اقبال، محمد، بالِ جبریل، لاہور: اقبال اکادمی، 1990ء، صفحہ 45

[4] Piketty, Thomas, Capital in the Twenty-First Century, Cambridge: Harvard University Press, 2014, 1

[5] البقرۃ، 2:275

[6] الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، مکہ مکرمہ: دار التربیۃ والتراث، 2001ء، جلد 5، صفحہ 45

[7] القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، بیروت: دار إحیاء التراث العربی، 1955ء، جلد 3، صفحہ 1219، کتاب المساقاۃ، باب لعن آکل الربا ومؤکلہ، حدیث: 1598

[8] ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، مقدمۃ ابن خلدون، بیروت: دار القلم، 1984ء، صفحہ 41

[9] الروم، 30:21

[10] السجستانی، سلیمان بن اشعث ابو داؤد، سنن ابی داؤد، صیدا: المکتبۃ العصریہ، بے تاریخ، جلد 2، صفحہ 255، کتاب الطلاق، باب فی کراہیۃ الطلاق، حدیث: 2178

[11] الاسراء، 17:23

[12] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، جلد 2، صفحہ 6، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن، حدیث: 893

[13] Marx, Karl, Critique of Hegel's Philosophy of Right, Cambridge: Cambridge University Press, 1970, 171

[14] طہٰ، 20:124

[15] اقبال، محمد، ضربِ کلیم، لاہور: اقبال اکادمی، 2002ء، صفحہ 78

[16] النحل، 16:125

[17] الشیبانی، احمد بن حنبل، المسند، قاہرہ: مؤسسہ قرطبہ، بے تاریخ، جلد 5، صفحہ 256، حدیث: 22307

[18] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، جلد 6، صفحہ 184، کتاب فضائل القرآن، باب تألیف القرآن، حدیث: 4993

[19] حمید اللہ، محمد، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، لاہور: اسلامی ثقافت، 1985ء، صفحہ 45

[20] ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، قاہرہ: مصطفیٰ البابی الحلبی، 1955ء، جلد 1، صفحہ 503

[21] البقرۃ، 2:256

[22] السجستانی، سلیمان بن اشعث ابو داؤد، سنن ابی داؤد، صیدا: المکتبۃ العصریہ، بے تاریخ، جلد 3، صفحہ 170، کتاب الخراج والإمارۃ والفيء، باب فی تعشیر أہل الذمۃ، حدیث: 3052

[23] اقبال، محمد، بانگِ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1993ء، صفحہ 182

[24] آل عمران، 3:110

[25] القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، بیروت: دار إحیاء التراث العربی، بے تاریخ، جلد 1، صفحہ 69، کتاب الإیمان، باب بیان کون النہی عن المنکر من الإیمان، حدیث: 49

[26] الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، إحیاء علوم الدین، بیروت: دار المعرفۃ، 1983ء، جلد 2، صفحہ 315

[27] الجمعۃ، 62:2

[28] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، جلد 1، صفحہ 20، کتاب الإیمان، باب فضل من استبرأ لدینہ، حدیث: 52

[29] الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، بیروت: دار المعرفۃ، 1982ء، جلد 3، صفحہ 12

[30] اقبال، محمد، بانگِ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1993ء، صفحہ 213

[31] Lewis, C. S., The Abolition of Man, New York: Macmillan, 1947, 34

[32] القزوینی، محمد بن یزید ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، قاہرہ: دار إحیاء الکتب العربیۃ، بے تاریخ، جلد 1، صفحہ 83، کتاب المقدمۃ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، حدیث: 229

[33] النساء، 7:4

[34] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، ریاض: دار طیبۃ، 1999ء، جلد 2، صفحہ 212

[35] السجستانی، سلیمان بن اشعث ابو داؤد، سنن ابی داؤد، صیدا: المکتبۃ العصریہ، بے تاریخ، جلد 2، صفحہ 245، کتاب النکاح، باب فی ضرب النساء، حدیث: 2146

[36] المائدۃ، 8:5

[37] ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاویٰ، مدینہ منورہ: مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، 1995ء، جلد 28، صفحہ 63

[38] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، جلد 4، صفحہ 214، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ام حسبت ان اصحاب الکہف، حدیث: 3475

IEER
Institute for Excellence in Education & Research